توفیق جہاں نے زانو پیٹ لیا — ”حرافہ — !“

اور دیدے لڑانے والی حصیتیسی، حرافہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنا کالا کلوٹا منہ گھٹنوں میں چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کی زندگی کا روشن سورج گہنا چکا تھا۔ اور اس کی کرنیں آگ بن کر کلیجے کو پھونکے دے رہی تھیں۔

صمد نے اس کی پیشانی چوم کر اپنے سر کی قسم دلائی تو اس نے سر اوندھائے اوندھائے اُن کے سامنے مٹھی کھول دی۔

اس کی سانولی ہتیلی پر ایک مڑا تڑا کارڈ پڑا منہ چڑا رہا تھا۔

مگر خالہ بی نے تو کہا تھا، اب زمانہ بدل گیا ہے۔

صمد میاں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کارڈ کو گھور رہے تھے۔ جس پر لکھا تھا

”روشن لال کچلو — !“

دو ہاتھ

رام اوتار لام پر سے واپس آرہا تھا۔ بوڑھی مہترانی ابامیاں سے چھٹی پڑھوانے آئی تھی۔ رام اوتار کو چھٹی مل گئی۔ جنگ ختم ہو گئی تھی نا! اس لئے رام اوتار تین سال بعد واپس آ رہا تھا۔ بوڑھی مہترانی کی چیپڑ بھری آنکھوں میں آنسو ٹمٹما رہے تھے۔ مارے شکر گزاری کے وہ دوڑ دوڑ کر سب کے پاؤں چھو رہی تھی جیسے ان پیروں کے مالکوں نے ہی اس کا اکلوتا پوت لام سے زندہ سلامت منگوا لیا۔

بڑھیا پچاپن برس کی ہوگی، پر ستر کی معلوم ہوتی تھی۔ دس بارہ کچے پکے بچے جنے اُن میں سے بس رام اوتار وا بڑی منتوں، مرادوں سے جیا تھا۔ ابھی اس کی شادی رچائے سال بھر بھی نہیں بیتا تھا کہ رام اوتار کی پکار آگئی۔ مہترانی نے بہت واویلا مچائی مگر کچھ نہ چلی اور جب رام اوتار وردی پہن کر آخری بار اس کے پیر چھونے آیا تو اس کی شان و شوکت سے بے انتہا مرعوب ہوئی جیسے وہ کرنل ہی تو ہو گیا تھا۔

شاگرد پیشے میں نوکر مسکرا رہے تھے۔ رام اوتار کے آنے کے بعد جو ڈرامہ ہونے کی امید تھی سب اسی پر آس لگائے بیٹھے تھے۔ حالانکہ رام اوتار لام

پر توپ بندوق چھوڑنے نہیں گیا تھا۔ پھر بھی سپاہیوں کا میلا اٹھاتے اٹھاتے اس میں کچھ سپاہیانہ آن بان اور اکڑ پیدا ہو گئی ہو گی۔ بھوری وردی ڈانٹ کر وہ پرانا رام اوتر وا واقعی نہ رہا ہو گا۔ ناممکن ہے وہ گوری کے کرتوت سُنے اور اس کا جوان خون ہتک سے کھول نہ اٹھے۔

بیاہ کر آئی ہے تو کیا مسمسی تھی گوری۔ جب تک رام اوتار رہا اسکا گھونگھٹ فٹ بھر لمبا رہا اور کسی نے اس کے رُخ پر نور کا جلوہ نہ دیکھا جب خصم نہ گیا تو کیا بلک بلک کر روئی تھی جیسے اس کی مانگ کا سیندور ہمیشہ کے لئے اڑ رہا ہو تھوڑے دن روئی روئی آنکھیں لئے سر جھکائے میلے کی ٹوکری ڈھوتی پھری۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے گھونگھٹ کی لمبائی کم ہونے لگی۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے یہ سارا بسنت رت کا کیا دھرا ہے۔ کچھ صاف گو کہتے تھے۔ گوری تھی ہی چنال۔ رام اوتار کے جاتے ہی قیامت ہو گئی کمبخت ہر وقت ہی ہی۔ ہر وقت اٹھلانا۔ کمر پر میلے کی ٹوکری لے کر کا نسے کے کڑے چھناکاتی جدھر سے نکل جاتی لوگ بدحواس ہو جاتے۔ دھوبی کے ہاتھ سے صابن کی بٹی پھسل کر حوض میں گر جاتی۔ باورچی کی نظر توے پر سلگتی ہوئی روٹی سے اُچٹ جاتی۔ بہشتی کا ڈول کنوئیں میں ڈوبتا ہی چلا جاتا۔ چپراسیوں تک کی بلا لگی پگڑیاں ڈھیلی ہو کر گردن میں جھولنے لگتی اور جب یہ سراپا قیامت گھونگھٹ میں سے بان پھینکتی گزر جاتی تو پورا شاگرد پیشہ ایک بے جان لاش کی طرح سکتہ میں رہ جاتا۔ پھر ایک دم چونک کر وہ ایک دوسرے کی درگت پر طعنہ زنی کرنے لگتے۔ دھوبن مارے غصے کے کلف کی کونڈی لوٹ دیتی۔ چپراسن چھاتی

سے چمٹے لونڈے کے بے بات دھمو کے جڑنے لگتی۔ اور باورچی کی تیسری بیوی پر ہسٹریا کا دورہ پڑ جاتا۔

نام کی گوری تھی۔ پر کمبخت سیاہ بہت تھی جیسے الٹے توے پر سی چھاوڑیا نے پراٹھے تل کر چمکتا ہوا چھوڑ دیا ہو۔ چوڑی پھکنا سی ناک، پھیلا ہوا دہانہ، دانت مانجھنے کا اس کی سات پشت نے فیشن ہی چھوڑ دیا تھا۔ آنکھوں میں پلیوں کا جل تھوپنے کے بعد بھی دائیں آنکھ کا بھینگا پن اوجھل نہ ہو سکا پھر بھی ٹیڑھی آنکھ سے نہ جانے کیسے زہر میں بجھے تیر پھینکتی تھی کہ نشانے پر بیٹھ ہی جاتے تھے۔ کمر بھی لچک دار نہ تھی۔ خاصی کھٹاسی تھی۔ جھوٹن کھا کھا کر دنبہ ہو رہی تھی۔ چوڑے بھینس کے سے کھُر۔ جدھر سے نکل جاتی۔ کڑوے تیل کی سڑاند چھوڑ جاتی۔ ہاں آواز میں بلا کی کوک تھی۔ تیج تیوہار پر لہک کر کجریاں گاتی تو اس کی آواز سب سے اونچی لہراتی چلی جاتی۔

بڑھیا مہترانی یعنی اس کی ساس بیٹے کے جاتے ہی اس سے بے طرح بدگمان ہو گئی۔ بیٹھے بٹھائے احتیاطاً گالیاں دے دیتی اس پر نظر رکھنے کیلئے پیچھے پیچھے پھرتی۔ مگر بڑھیا اب لوٹ چکی تھی۔ چالیس برس میلا ڈھونے سے اس کی کمر مستقل طور پر ایک طرف لچک کر وہیں ختم ہو گئی تھی۔ ہماری پرانی مہترانی تھی ہم لوگوں کے آنول نال اسی نے گاڑے تھے۔ جونہی اماں کے درد لگتے مہترانی دہلیز پر آکر بیٹھ جاتی اور بعض وقت لیڈی ڈاکٹر تک کو نہایت مفید ہدایتیں دیتی بلائیات کو دفع کرنے کے لئے کچھ منتر، تعویذ بھی لاکر پٹے سے باندھ دیتی مہترانی کی گھر میں خاصی بزرگانہ حیثیت تھی۔

اتنی لاڈلی مہترانی کی بہو یکایک لوگوں کی آنکھوں میں کانٹا بن گئی - چپراسن اور باورچن کی تو اور بات تھی - ہماری اچھی بھلی بھاوجوں کا ماتھا اسے اٹھلاتے دیکھ کر ٹھنک جاتا - اگر وہ اس کمرے میں جھاڑو دینے جاتی جس میں اُسکے میاں ہوتے تو وہ ہڑبڑا کر دودھ پیتے بچے کے منہ سے چھاتی چھین کر بھاگتیں کہ کہیں وہ ڈائن ان کے شوہروں پر لوٹنا ٹوٹکا نہ کر رہی ہو۔

گوری کیا تھی - بس ایک مرکھنا لمبے سینگوں والا بجار تھا کہ چھوٹا پھرتا تھا - لوگ اپنے کانچ کے برتن بھانڈے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر کلیجے سے لگاتے اور جب حالات نے نازک صورت پکڑلی تو شاگرد پیشے کی بیبیوں کا ایک باقاعدہ وفد اماں کے دربار میں حاضر ہوا - بڑے زور شور سے خطرہ اور اس کے خوفناک نتائج پر بحث ہوئی - پتی رکھشا کی ایک کمیٹی بنائی گئی - جس میں سب بھاوجوں نے شدومد سے ووٹ دیئے اور اماں کو صدر اعزازی کا عہدہ سونپا گیا، ساری خواتین حسب مراتب زمین، پیڑھیوں اور پلنگ کی ادوائن پر بیٹھیں - پان کے ٹکڑے تقسیم ہوئے اور بڑھیا کو بلایا گیا - نہایت اطمینان سے بچوں کے منہ میں دودھ دے کر سبھا میں خاموشی قائم کی گئی، اور مقدمہ پیش ہوا۔

" کیوں ری چڑیل، تو نے بہو قطامہ کو چھوٹ دے رکھی ہے کہ ہماری چھاتیوں پہ کودوں دلے - ارادہ کیا ہے تیرا، کیا منہ کالا کرائے گی ؟"

مہترانی تو بھری ہی بیٹھی تھی، پھوٹ پڑی ---" کیا کروں بیگم صاحب حرام کھور کو چار چوٹ کی مار بھی دئیے تو - روٹی بھی کھانے کو نا دئیے - پر رانڈ

میرے تو بس کی نہیں "

" اے روٹی کی کیا کمی ہے اُسے " باورچن نے اینٹا پھینکا - سہارن پور کی خاندانی باورچن اور پھر تیسری بیوی - کیا تیہا تھا کہ اللہ کی پناہ - پھر چپراسن مالن اور دھوبن نے مقدمہ کو اور سنگین بنا دیا - بیچاری مہترانی بیٹھی سب کی لتاڑ سنتی اور اپنی خارش زدہ پنڈلیاں کھجلاتی رہی -

" بیگم صاحب آپ جیسی بتاؤ ویسے کرنے سے موئے ناکھوڑی پر کا کروں کا رانڈ کا ٹینٹوا دبائے دیوں --- "

ٹینٹوا دبنے کے حسین خیال سے بیبیوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور سب کو بڑھیا سے بے انتہا ہمدردی پیدا ہو گئی۔

اماں نے رائے دی --- " موئی کو میکے پھنکوا دے "

" اے بیگم صاحب ! کہیں ایسا ہو سکے ہے ؟" مہترانی نے بتایا کہ بہو مفت ہاتھ نہیں آتی ہے - ساری عمر کی کمائی پورے دو سو جھونکے ہیں تب مسٹنڈی ہاتھ آئی ہے - اتنے پیسوں میں تو دو گائیں آجاتیں - مزے سے پھر کلسی دودھ دیتیں - پر یہ رانڈ تو دولتیاں ہی دیتی ہے اگر اسے میکے بھیجدیا گیا تو اس کا باپ اسے فوراً دوسرے مہتر کے ہاتھ بیچ دیگا - بہو صرف بیٹے کے بستر کی زینت ہی تو نہیں دو ہاتھوں والی ہے پر چار آدمیوں کا کام نپٹاتی ہے - رام اوتار کے جانے کے بعد بڑھیا سے اتنا کام کیا سنبھلتا - یہ بڑھاپا تو اب بہو کے دو ہاتھوں کے صدقے میں بیت رہا ہے -

بیبیاں کوئی ناسمجھ نہ تھیں - معاملہ اخلاقیات سے ہٹ کر اقتصادیات

پر آ گیا تھا۔ واقعی بہو کا وجود بڑھیا کے لئے لازمی تھا۔ دو سو روپے کا مال کس کا دل ہے کہ پھینک دے۔ ان دو سو کے علاوہ بیاہ پر جو بنئے سے لے کر خرچ کیا تھا۔ بجھان کھلائے تھے۔ برادری کو راضی کیا تھا۔ یہ سارا خرچہ کہاں سے آئیگا۔ رام اوتار کی جو تنخواہ ملتی تھی وہ ساری ادھار میں ڈوب جاتی تھی۔ ایسی موٹی تازی بہو اب تو چار سو سے کم میں نہ ملے گی۔ پوری کوٹھی کی صفائی کے بعد اور آس پاس کی چار کوٹھیاں نمٹاتی ہے۔ رانڈ کام میں چوکس ہے ویسے۔

پھر بھی اماں نے الٹی میٹم دے دیا۔ کہ "اگر اس لچی کا جلد از جلد کوئی انتظام نہ کیا گیا تو کوٹھی کے احاطہ میں نہیں رہنے دیا جائیگا۔

بڑھیا نے بہت واویلا مچائی اور جا کر بہو کو منہ بھر کر گالیاں دیں۔ جھونٹے پکڑ کر مارا پیٹا بھی۔ بہو اس کی زر خرید تھی۔ پٹتی رہی۔ بڑبڑاتی رہی اور دوسرے دن انتقاماً سارے عملے کی دھجیاں بکھیر دیں۔ باورچی۔ بہشتی، دھوبی اور چپراسیوں نے تو اپنی بیویوں کی مرمت کی۔ یہاں تک کہ بہو کے معاملہ پر میری مہذب بھابیوں اور شریف بھائیوں میں بھی کھٹ پٹ ہو گئی اور بھابیوں کے میکے تار جانے لگے۔ غرض بہو ہرے بھرے خاندان کے لئے سئی کا کانٹا بن گئی۔

مگر دو چار دن کے بعد بوڑھی مہترانی کے دیور کا لڑکا رام رتی اپنی تائی سے ملنے آیا۔ اور پھر وہیں رہ پڑا۔ دو چار کوٹھیوں میں کام بڑھ گیا تھا سو وہ بھی اس نے سنبھال لیا۔ اپنے گاؤں میں آوارہ ہی تو گھومتا تھا۔ اس کی بہو ابھی نابالغ تھی۔ اس لئے گونا نہیں ہوا تھا۔

رتی رام کے آتے ہی موسم ایک دم لوٹ پوٹ کر بالکل ہی بدل گیا جیسے

گھنگھور گھٹائیں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ تتر بتر ہو گئیں۔ بہو کے قہقہے خاموش ہو گئے۔ کانسے کے کڑے گونگے ہو گئے اور جیسے غبارے سے ہوا نکل جائے تو وہ چپ چاپ جھولنے لگتا ہے۔ ایسے بہو کا گھونگھٹ جھولتے جھولتے نیچے کی طرف بڑھنے لگا۔ اب وہ بجائے بے نتھے بیل کے نہایت شرمیلی بہو بن گئی۔ جملہ مہیلاؤں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسٹاف کے مرد اسے چھیڑتے بھی تو وہ چھوئی موئی کی طرح لجا جاتی اور زیادہ آنکھ دکھاتے تو وہ گھونگھٹ میں سے بھینگی آنکھ کو اور ترچھا کر کے رتی رام کی طرف دیکھتی جو فوراً بازو کھجلاتا سامنے آ کر ڈٹ جاتا۔ بڑھیا پرسکون انداز میں دہلیز پر بیٹھی ادھ کھلی آنکھوں سے یہ طربیہ ڈرامہ دیکھتی اور گڑ گڑی پیا کرتی۔ چاروں طرف ٹھنڈا ٹھنڈا سکون چھا گیا جیسے پھوڑے کا مواد نکل گیا ہو۔

مگر اب کے بہو کے خلاف ایک نیا محاذ قائم ہو گیا اور وہ عملے کی مرد جاتی پر مشتمل تھا۔ بات بے بات باورچی جو اسے پراٹھے تل کر دیا کرتا تھا کوئلی صاف نہ کرنے پر گالیاں دیتا۔ دھوبی کو شکایت تھی کہ وہ کلف لگا کر کپڑے رسی پر ڈالتا ہے۔ یہ حرام زادی خاک اڑانے آجاتی ہے۔ چپراسی مردانے میں دس دس مرتبہ جھاڑو دلواتے پھر بھی وہاں کی غلاظت کا رونا روتے رہتے۔ بہشتی جو اس کے ہاتھ دھلانے کے لئے کئی مشکیں لئے تیار رہتا تھا اب گھنٹوں صحن میں چھڑکاؤ کرنے کو کہتی مگر ٹالتا رہتا۔ تاکہ وہ سوکھی زمین پر جھاڑو دے تو چپراسی گرد اڑانے کے جرم میں اسے گالیاں دے سکے۔

مگر بہو سر جھکائے سب کی ڈانٹ پھٹکار ایک کان سنتی دوسرے

کان اڑا دیتی۔ نہ جانے ساس سے کیا جا کر کہہ دیتی کہ وہ کائیں کائیں کر کے سب کا بھیجا چاٹنے لگتی۔ اب اس کی نظر میں بہو نہایت پارسا اور نیک ہو چکی تھی۔

پھر ایک دن داڑھی والے داروغہ جی جو تمام نوکروں کے سردار تھے اور ابا کے خاص مشیر سمجھے جاتے تھے۔ ابا کے حضور میں دست بستہ حاضر ہوئے، اور اس بھیانک بدمعاشی اور غلاظت کا رونا رونے لگے۔ جو بہو اور رتی رام کے ناجائز تعلقات سے سارے شاگرد پیشے کو گندہ کر رہی تھی۔ ابا نے معاملہ سیشن سپرد کر دیا۔ یعنی اماں کو پکڑا دیا۔ جھیلاؤں کی سبھا پھر سے چھڑی اور بڑھیا کو بلا کر اس کے لتے لئے گئے۔

"اری نگوڑی خبر بھی ہے یہ تیری بہو قطامہ کیا گل کھلا رہی ہے؟"

مہترانی نے ایسے چندھرا کر دیکھا جیسے کچھ نہیں سمجھتی غریب کہ کس کا ذکر ہو رہا ہے اور جب اسے صاف صاف بتایا گیا کہ چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ بہو اور رتی رام کے تعلقات نازیبا حد تک خراب ہو چکے ہیں۔ دونوں بہت ہی قابلِ اعتراض حالتوں میں پکڑے گئے ہیں تو اس پر بڑھیا بجائے اپنی بہتری چاہنے والوں کا شکریہ ادا کرنے کے بہت چراغ پا ہوئی۔ بڑا واویلا مچانے لگی۔ کہ رام اوتار ہوتا تو ان لوگوں کی خبر لیتا۔ جو اس کی معصوم بہو پر تہمت لگاتے ہیں۔ بہو نگوڑی تو اب چپ چاپ رام اوتار کی یاد میں آنسو بہایا کرتی ہے۔ کام کاج بھی جان توڑ کر کرتی ہے۔ کسی کو شکایت نہیں ہوتی۔ ٹھٹول بھی نہیں کرتی۔ لوگ اس کے ناحق دشمن ہو گئے ہیں۔ بہت سمجھایا مگر وہ ماتم کرنے لگی کہ ساری دنیا اس کی جان کی لاگو ہو گئی ہے۔ آخر بڑھیا اور اس کی معصوم بہو

نے لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ تو کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ وہ تو سب کی رازدار ہے۔ آج تک اس نے کسی کا بھانڈا نہیں پھوڑا اسے کیا ضرورت جو کسی کے پھٹے میں پیر اڑاتی پھرے۔ کوٹھیوں کے پچھواڑے کیا نہیں ہوتا مہترانی سے کسی کا میلا نہیں چھپتا۔ ان بوڑھے ہاتھوں نے بڑے لوگوں کے گناہ دفن کئے ہیں۔ یہ دو ہاتھ چاہیں تو رانیوں کے تخت الٹ دیں۔ پر نہیں اسے کسی سے بغض نہیں اگر اس کے گلے پر چھری دبائی گئی تو شاید غلطی ہو جائے ویسے وہ کسی کے راز اپنے بوڑھے کلیجے سے باہر نہیں نکلنے دے گی۔

اس کا تیہا دیکھ کر فوراً چھری دبانے والوں کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے ساری مہیلائیں اس کی تیج کرنے لگیں۔ بہو کچھ بھی کرتی تھی ان کے اپنے قلعے تو محفوظ تھے تو پھر شکایت کیسی؟ پھر کچھ دن ہوئے بہو کے عشق کا چرچا کم ہونے لگا۔ لوگ کچھ بھولنے لگے۔ مگر تاڑنے والوں نے تاڑ لیا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ بہو کا بھاری بھرکم جسم بھی دال کے کالے کو زیادہ دن نہ چھپا سکا اور لوگ شدومد سے بڑھیا کو سمجھانے لگے۔ مگر اس نئے موضوع پر بڑھیا بالکل اڑن گھائیاں بتانے لگی۔ بالکل ایسے بن جاتی جیسے ایک دم اونچا سننے لگی ہے۔ اب وہ زیادہ تر کھاٹ پر لیٹی بہو اور رتی رام پر حکم چلایا کرتی۔ کبھی کھانستی چھینکتی باہر دھوپ میں آ بیٹھتی تو وہ دونوں اس کی ایسی دیکھ ریکھ کرتے جیسے وہ کوئی پٹ رانی ہو۔

بھلی بیویوں نے اسے بہت سمجھایا۔ رتی رام کا منہ کالا کر اور اس سے پہلے کہ رام اوتار لوٹ کر آئے۔ بہو کا علاج کروا ڈال۔ وہ خود اس فن میں ماہر تھی دو دن میں صفائی ہو سکتی تھی۔ مگر بڑھیا نے کچھ سمجھ کر ہی نہ دیا۔ بالکل ادھر ادھر کی

شکایتیں کرنے لگی کہ اس کے گھٹنوں میں پہلے سے زیادہ اینٹھن ہوتی ہے نیز کوٹھیوں میں لوگ بہت ہی زیادہ بادی چیزیں کھانے لگے ہیں۔ کسی نہ کسی کوٹھی میں دست لگے ہی رہتے ہیں۔ اس کی ٹال مٹول پر ناصحین جل کر مرنڈ ہو گئے۔ مانا کہ بہو عورت ذات ہے، نادان ہے، بھولی۔ بڑی بڑی شریف زادیوں سے خطا ہو جاتی ہے لیکن ان کی اعلیٰ خاندان کی معزز ساسیں یوں کان میں تیل ڈال کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ پر نہ جانے یہ بڑھیا کیوں سٹھیا گئی تھی۔ جس بلا کو وہ بڑی آسانی سے کوٹھی کے کوڑے کی تہہ میں دفن کر سکتی تھی اُسے آنکھیں میچے پلنے دے رہی تھی۔

رام اتروا کے آنے کا انتظار تھا۔ ہر وقت دھمکیاں تو دیتی رہتی تھی۔

"آن دے رام اتروا کا کہاں گی۔ توری ہڈی پسلی ایک کر دیہئے ہے"

اور اب رام اتروا لام سے زندہ واپس آ رہا تھا۔ فضا نے سانس روک لی تھی لوگ ایک مہیب ہنگامے کے منتظر تھے۔

مگر لوگوں کو سخت کوفت ہوئی۔ جب بہو نے لونڈا جنا۔ بجائے اُسے زہر دینے کے بڑھیا کی مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں۔ رام اوتار کے جانے کے دو سال بعد پوتا ہونے پر قطعی متعجب نہ تھی گھر گھر پھٹے پرانے کپڑے، اور بدھائی سمیٹتی پھری اس کا بھلا چاہنے والوں نے اسے حساب لگا کر بہتیرا سمجھایا کہ یہ لونڈا رام اوتار کا ہو ہی نہیں سکتا مگر بڑھیا نے قطعی سمجھ کر نہ دیا۔ اس کا کہنا تھا۔ اساڑھ میں رام اوتار لام پہ گیا۔ جب بڑھیا بیلی کوٹھی کے نئے انگریزی وضع کے ہمینے میں سنڈاس میں گر پڑی تھی۔ اب چیت لگ رہا ہے اور جیٹھ کے مہینے میں بڑھیا کو لو لگی تھی مگر بال بال بچ گئی تھی۔ جبھی سے

اس کے گھٹنوں کا درد بڑھ گیا — "وید جی پورے حرامی ہیں۔ دوائیں کھریا ملا کر دیتے ہیں۔" اس کے بعد وہ بالکل اصل سوال سے ہٹ کر خیلاؤں کی طرح اول فول بکنے لگتی۔ کس کے دماغ میں اتنا بوتا تھا کہ وہ بات اس کائیاں بڑھیا کو سمجھاتا جسے نہ سمجھنے کا وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

لونڈا پیدا ہوا تو اس نے رام اوتار کو چھٹی لکھوائی۔

"رام اوتار کو بعد چما پیار کے معلوم ہو کہ یہاں سب کشل ہیں اور تمہاری کشلتا بھگوان سے نیک چاہتے ہیں اور تمہارے گھر میں پوت پیدا ہوا ہے سو تم اس خط کو تار سمجھو اور جلدی سے آ جاؤ۔"

لوگ سمجھتے تھے کہ رام اوتار ضرور چراغ پا ہوگا مگر سب کی امیدوں پر اوس پڑ گئی جب رام اوتار کا مسرت سے لبریز خط آیا کہ وہ لونڈے کے لئے موزے اور بنیان لا رہا ہے۔ جنگ ختم ہو گئی اور اب بس وہ آنے ہی والا تھا۔ بڑھیا پوتے کو گھٹنے پر لٹائے کھاٹ پر بیٹھی راج کیا کرتی۔ بھلا اس سے زیادہ حسین بڑھاپا کیا ہوگا کہ ساری کوٹھیوں کا کام ترت پھرت ہو رہا ہو مہاجن کا سود پابندی سے چک رہا ہو اور گھٹنے پر پوتا سو رہا ہو۔

خیر لوگوں نے سوچا، رام اوتار آئے گا۔ اصلیت معلوم ہوگی تب دیکھ لیا جائیگا اور اب رام اوتار جنگ جیت کر آ رہا تھا۔ آخر کو سپاہی ہے کیوں نہ خون کھولے گا۔ لوگوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ شاگرد پیشے کی فضا جو بہو کی قوتا چپشی کی وجہ سے سو گئی تھی۔ دو چار خون ہونے اور ناکیں کٹنے کی آس میں جاگ اٹھی۔ لونڈا سال بھر کا ہوگا۔ جب رام اوتار لوٹا۔ شاگرد پیشے میں کھلبلی مچ گئی

باورچی نے ہانڈی میں ڈھیر سا پانی جھونک دیا تاکہ اطمینان سے حیپٹے کا لطف اٹھائے۔ دھوبی نے کلف کا برتن اتار کر منڈیر پر رکھ دیا اور بہشتی نے ڈول کنوئیں کے پاس پٹک دیا۔

رام اوتار کو دیکھتے ہی بڑھیا اسکی کمر سے لپٹ کر چنگھاڑنے لگی مگر دوسرے لمحے کھیسیں کاڑھے لونڈے کو رام اوتار کی گود میں دے کر ایسے ہنسنے لگی جیسے کبھی روئی ہی نہ ہو۔

رام اوتار لونڈے کو دیکھ کر ایسے شرمانے لگا جیسے وہی اس کا باپ ہو جھٹ پٹ اس نے صندوق کھول کر سامان نکالنا شروع کر دیا۔ لوگ سمجھے کھکری یا چاقو نکال رہا ہے۔ مگر جب اس نے اس میں سے لال بنیائن اور پیلے موزے نکالے تو سارے عملے کی قوت مردانہ پر ضرب کاری لگی — بہت ترسے کی، سالا سپاہی بنتا ہے ہیجڑا زمانے بھر کا۔

اور بہو۔ سمٹی سمٹائی جیسے نئی نویلی دلہن۔ کانسی کی تھالی میں پانی بھر کر، رام اوتار کے بدبودار فوجی بوٹ اتارے اور چرن دھو کر پیئے۔

لوگوں نے رام اوتار کو سمجھایا۔ پھبتیاں کسیں، اسے گاؤدی کہا۔ مگر وہ گاؤدی کی طرح کھیسیں کاڑھے ہنستا رہا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آرہا ہو۔ رتی رام کا گونا ہونے والا تھا، سو وہ چلا گیا۔

رام اوتار کی اس حرکت پر تعجب سے زیادہ لوگوں کو غصہ آیا۔ ہمارے ابا جو عام طور پر نوکروں کی باتوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتے تھے وہ بھی جز بز ہو گئے۔ اپنی ساری قانون دانی کا داؤ لگا کر رام اوتار کو قائل کرنے پر تل گئے۔

"کیوں بے تو تین سال بعد لوٹا ہے نا؟"

"معلوم نہیں حجور، تھوڑا کم جیادہ ..... اتا ہی رہا ہوگا۔"

"اور تیرا لونڈا سال بھر کا ہے"

"اتا ہی لگے ہے سرکار، پر بڑا بدماس ہے سسر۔" رام اوتار شرمائے۔

"ابے تو حساب لگالے۔"

"حساب؟ ..... کیا لگاوئں سرکار۔" رام اوتار نے مرگھلی آواز میں کہا۔

"اُلّو کے پٹھے یہ کیسے ہوا؟"

"اب جے میں کا جانوں سرکار..... بھگوان کی دین ہے۔"

"بھگوان کی دین! تیرا سر..... یہ لونڈا تیرا نہیں ہو سکتا۔

ابا نے اسے چاروں اور سے گھیر کر قائل کرنا چاہا۔ کہ لونڈا حرامی ہے تو وہ کچھ کچھ قائل سا ہو گیا۔ پھر مری ہوئی آواز میں احمقوں کی طرح بولا۔

"تو اب کا کروں سرکار — حرامجادی کو میں نے بڑی مار دی۔ وہ غصے سے بپھر کر بولا۔

"ابے نرا الو کا پٹھا ہے تو..... نکال باہر کیوں نہیں کرتا کمبخت کو۔"

"نہیں سرکار، کہیں ایسا ہو تے سکے ہے"۔ رام اوتار گھگھیانے لگا۔

"کیوں بے؟"

"حجور، ڈھائی تین سو پھر سگائی کے لئے کاں سے لاؤں گا اور برادری جمانے میں سو دو سو الگ کھرچ ہو جائیں گے۔"

"کیوں بے، تجھے برادری کیوں کھلانی پڑے گی! بہو کی بدمعاشی کا تاوان

تجھے کیوں بھگتنا پڑے گا ۔؟"

"جے میں نہ جانوں سرکار۔ ہمارے میں ایسا ہووے ہے"

"مگر لونڈا تیرا نہیں رام اوتار ۔ ۔ ۔ ۔ اس حرامی رتی رام کا ہے ۔" ابّا نے عاجز آکر سمجھایا۔

"تو کا ہوا سرکار ۔ ۔ ۔ ۔ میرا بھائی ہوتا ہے رتی رام ۔ کوئی غیر نہیں ، اپنا ہی کھون ہے ۔"

"بڑا الّو کا پٹھا ہے ۔" ابّا بھنا اٹھے۔

"سرکار، لونڈا بڑا ہو جاوے گا اپنا کام سمیٹے گا" رام اوتار نے گڑگڑا کر سمجھایا۔ "وہ دو ہاتھ لگائے گا، سو اپنا بڑھاپا تیر ہو جائے گا۔" ندامت سے رام اوتار کا سر جھک گیا۔

اور نہ جانے کیوں، ایک دم رام اوتار کے ساتھ ساتھ ابّا کا سر بھی جھک گیا۔ جیسے ان کے ذہن پر لاکھوں کروڑوں ہاتھ چھا گئے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ہاتھ حرامی ہیں نہ حلالی یہ تو بس جیتے جاگتے ہاتھ ہیں جو دنیا کے چہرے سے غلاظت دھو رہے ہیں اس کے بڑھاپے کا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔

یہ ننھے منھے مٹی میں لتھڑے ہوئے سیاہ ہاتھ دھرتی کی مانگ میں سیندور سجا رہے ہیں۔

یار

جب اکبر نے فریدہ کو ریاض سے ملایا تو ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ریاض معصوم صورت خاموش سا لڑکا تھا۔

" ہم دونوں ایک ہی گلی میں کھیلے۔ گلی اور کبڈی کھیل کر بڑے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کالج میں بھی ساتھ نہ چھوٹا۔ پھر یہ بھی بمبئی آگیا۔ کتنا عجیب اتفاق ہے"۔ اکبر نے کہا تھا۔ "ذرا بورنگ سا انسان ہے"۔ یہ جملہ بھی ساتھ لگا دیا تھا۔

شروع شروع میں عموماً تینوں ساتھ ساتھ رہتے۔ سینما کے تین ٹکٹ خریدے جاتے۔ ہوٹل میں تین سیٹیں ریزرو ہوتیں۔ ریاض کا وجود کچھ لازم و ملزوم سا ہو گیا تھا۔ پھر جوں جوں شادی پرانی ہوتی گئی اور اکبر کی مصروفیتیں بڑھتی گئیں۔ فریدہ اور ریاض کا ساتھ بھی بڑھتا گیا۔ اکبر تو نئے دوستوں اور نئے مشغلوں میں ڈوب کر دیر سے آتے۔ ریاض سیدھا دفتر سے

/Do hath/

دو ہاتھ

افسانے

Chughtai, Ismat

عصمت چغتائی

شیش محل کتاب گھر

۱۵۔ سرکلر روڈ ـــــ لاہور

Chughtai